تحقیق و تنقید

قتلِ اَبناءِ بَنی اِسرائیل

قرآنِ کریم کی روشنی میں!

پروفیسر محمد دین قاسمی
گورنمنٹ کالج سمن آباد ۔ فیصل آباد

یہ ایک ناقابلِ تردید تاریخی حقیقت ہے کہ فرعون نے ولادتِ موسیٰ سے قبل ابنائے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا ظالمانہ سلسلہ شروع رکھا تھا اور خود قرآنِ مجید بھی اس حقیقت کی تائید کرتا ہے، مگر "طلوعِ اسلام" کے بانی غلام احمد پرویز کو اس سے انکار ہے۔ قرآنِ مجید کے ہر اس مقام پر، جہاں فرعون کے ہاتھوں ابنائے بنی اسرائیل کا قتل مذکور ہے، انہوں نے یہ تاویل (بشرطیکہ اسے تاویل کہا بھی جا سکے) فرمائی ہے کہ فرعون، فرزندانِ بنی اسرائیل کو "جوہرِ انسانیت" سے محروم رکھنے کی کوشش کرتا تھا، وہ انہیں ہرگز قتل نہیں کرتا تھا، چنانچہ ان کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

۱ "یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں بنی اسرائیل کی قوم کی تعداد بہت بڑی تھی۔ اگر کسی قوم کی یہ حالت ہو جائے کہ اس کے تمام لڑکے مار دیئے جائیں اور صرف لڑکیاں زندہ رکھی جائیں تو کچھ وقت کے بعد وہ قوم ہی ختم ہو جائے گی۔"

اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ:

"بعض تفاسیر میں ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے نوّے ہزار بچوں کو قتل کیا تھا۔"

۲ "حضرت موسٰے کے بڑے بھائی حضرت ہارون بھی زندہ تھے اور حضرت موسٰے بھی پیدا ہوتے ہی مار نہیں ڈالے گئے تھے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار نہیں دیا کرتے تھے۔"

۳ "سورۂ یونس میں ہے کہ فَمَا اٰمَنَ لِمُوْسٰى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ (۱۰/۸۳) "موسیٰ پر اس کی قوم کی ذریت ایمان لائی۔" ذریت نئی پود یا (نوجوانوں) کو کہتے ہیں۔ اگر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیا کرتے تو یہ ذریت موجود ہی نہ ہوتی۔"

۴ "جب حضرت موسٰے فرعون کے پاس آئے ہیں تو اس نے کہا کہ ہم نے تیری پرورش کی اور اس قدر احسانات کئے اور تو ان احسانات کا یہ بدلہ دے رہا ہے، تو اس کے جواب میں حضرت موسٰے نے کہا کہ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲۶/۲۲) "یہ وہ نعمت ہے جسے تو مجھ پر جتاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام (محکوم) بنا رکھا ہے۔"

"آپ دیکھئے حضرت موسٰے نے فرعون کے خلاف جو الزام عائد کیا ہے وہ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کا ہے۔ اگر وہ ان کے لڑکوں کو قتل کرنے کا مجرم بھی ہوتا، تو آپ سب سے پہلے ان کا ذکر کرتے، کیونکہ یہ جرم قوم کو غلام بنائے رکھنے سے زیادہ سنگین تھا، لیکن آپ سارے قرآن میں دیکھ جائیے حضرت موسٰے نے کسی جگہ بھی فرعون اور اس کی قوم کو اس جرم سے مطعون نہیں کیا۔" (لغات القرآن، ص ۶۸۹-۹۰)

آئیے! اب ہم ان دلائل کا تفصیل سے جائزہ لے کر یہ دیکھیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے؟

پہلی دلیل پر بحث

جہاں تک مسٹر پرویز کی پہلی دلیل کا تعلق ہے، انہیں اگر یہاں شدید سوئے فہم لاحق نہیں ہوا تو یقیناً انہوں نے مغالطہ انگیزی سے کام لیکر یہ لکھا ہے کہ:

"اگر کسی قوم کی یہ حالت ہو جائے کہ اس کے تمام لڑکے مار دیئے جائیں اور صرف

لڑکیاں زندہ رکھی جائیں تو کچھ وقت کے بعد وہ قوم ہی ختم ہو جائے گی۔"

سوال یہ ہے کہ یہ دعوےٰ کس نے کیا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کے تمام لڑکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا؟ اور اپنی وسیع و عریض سلطنت کے کام کو چلانے کے لئے غلام قوم کے مردوں کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی؟ کیا حاکم قوم، اپنی زمینوں، باغوں اور دیگر محنت مشقت کے کاموں کے لئے محکوم قوم کے جواں مردوں سے بے نیاز ہو گئی تھی؟ تعجب ہے کہ فرعون اپنے بیگار کیمپوں کے لئے اپنی ہی قوم کے نونہالوں کو جوت لیا کرتا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ فرعون اپنی سلطنت کے ذمہ دار مناصب کے لئے تو یقیناً بنی اسرائیل کا محتاج نہ تھا، البتہ ادنیٰ درجہ کے کام کاج کے لئے وہ بنی اسرائیل کے غلاموں ہی سے کام لیتا تھا۔ بیگار کیمپوں میں، زرعی کھیتوں میں اور دیگر تعمیراتی کاموں میں جبری محنت و مشقت کا سارا کام وہ بنی اسرائیل ہی سے لیتا تھا، اس لئے خود اس کا اپنا مفاد اس میں تھا کہ اس محکوم قوم کی جملہ اولادِ نرینہ کو موت کے گھاٹ نہ اتارے، بلکہ بنی اسرائیل کے صرف ایسے سربرآوردہ خاندانوں کے بیٹوں کو لقمۂ موت بنائے کہ

کسی نوع کی بھی سیادت و قیادت جن کے ہاتھ آ سکتی تھی اور جن سے فرعون کو سیاسی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا کہ اگر انہیں زندہ چھوڑ دیا گیا تو یہ لاکھوں افراد پر مشتمل اسرائیلیوں کو منظم کر کے اس کے اقتدار کا تختہ اُلٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ خاندانِ موسیٰ انہی خاندانوں میں سے ایک تھا جن سے فرعون کو سیاسی خدشہ لاحق تھا۔ اسی کے پیش نظر وہ ان خاندانوں کے چشم و چراغ کو گل کر دیا کرتا تھا تاکہ اس قوم میں وہ دم خم نہ رہے جو کسی سیاسی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکے۔

قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ: "فرعون بنی اسرائیل کے تمام مردوں کو قتل کر ڈالتا تھا" اور قرآن بھی یہ واضح کرتے ہیں کہ فرعون کی یہ کارروائی تمام اسرائیلی مردوں سے متعلق نہ تھی، بلکہ بعض اسرائیلیوں کے متعلق تھی جن سے فرعون کوئی سیاسی خوف محسوس کرتا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسٹر پرویز جب "قتل" کا معنیٰ "ذلیل و خوار کرنا" کرتے ہیں تو وہ خود بھی فرعون کے اس فعلِ قتل کو "تمام" کی بجائے "بعض" ابنائے بنی اسرائیل تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وہ (فرعون) کرتا یہ تھا کہ قوم کا وہ طبقہ، جس میں اسے جوہرِ مردانگی نظر

آتے، جن کے متعلق وہ یہ سمجھتا کہ ان کا اُبھرنا خطرناک ہے، وہ انہیں دباتا اور ہر طرح ذلیل وحقیر رکھتا۔" (لغات القرآن، ص ۱۲۹۳)

گویا اگر "قتل" بمعنی "سلبِ جوہرِ مردانگی" اور "تحقیر وتذلیل" ہو تو اُسے پوری قوم سے وابستہ کرنے کی بجائے بنی اسرائیل کے صرف ایک طبقے ہی سے وابستہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر قتل بمعنی "سلبِ حیات" اور "لقائے موت" ہو تو یہ بات انہیں گوارا نہیں ہے چنانچہ اس صورت میں مسٹر پرویز کے نزدیک تمام ابنائے بنی اسرائیل پر اس کا اطلاق ہوگا۔ کیا ہی نرالی منطق ہے؟ — حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں مسٹر پرویز نے پہلے اپنے ذہن میں اس مفروضہ کو راسخ کیا کہ فرعون تمام ابنائے بنی اسرائیل کو قتل کیا کرتا تھا۔ پھر اس مفروضے پر قصرِ استدلال قائم کیا، کہ اگر ایسا ہوتا تو تھوڑی ہی مدت کے بعد اسرائیلی رجال کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔

دوسری دلیل پر بحث

رہی پرویز صاحب کی یہ دلیل — کہ حضرت ہارون ؑ (جو حضرت موسیٰ ؑ کے بڑے بھائی تھے) کا زندہ وسلامت رہنا خود اس امر کی شہادت ہے کہ عہدِ فرعون میں بچوں کو پیدا ہوتے ہی مار دینے کی کوئی رسم وروایت نہیں تھی — تو یہ ازحد کمزور دلیل ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ حضرت ہارون ؑ کی پیدائش کے وقت فرعون نے قتلِ ابنائے بنی اسرائیل کا حکم جاری نہ کیا ہو، مگر ان کی ولادت کے بعد یہ حکم نافذ کر دیا گیا ہو اور حضرت موسیٰ ؑ کو اسی وجہ سے ان کی والدہ نے پیدا ہوتے ہی حکمِ ایزدی کے تحت دریا میں ڈال دیا ہو! — یہ محض ہمارا قیاس ہی نہیں ہے، تاریخ کا ریکارڈ بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ قتلِ ابناء کا یہ فرعونی حکم، ولادتِ موسیٰ سے بہت زیادہ عرصہ قبل نافذ نہیں کیا گیا تھا بلکہ کچھ ہی مدت قبل اس کا اجراء ہوا تھا۔ لیکن ہم تاریخی ثبوت سے صرفِ نظر کرتے ہیں کہ پرویز کے حواری یہ کہہ کر اسے درخورِ اعتنا نہ جانیں گے کہ "تاریخ ظنی چیز ہے لہٰذا ساقط الاعتبار ہے۔" اس لئے ہم مسٹر پرویز ہی کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں کہ ؎

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری:

"حضرت موسیٰ ؑ کی پیدائش دار السلطنت میں ہوئی۔ اس وقت بنی اسرائیل کے بچوں کی ہلاکت کا انسانیت کش حکم جاری تھا" (معارف القرآن، ج ۳، ص ۱۸۹)

اسی صفحہ پر مرقومہ حاشیہ میں فرماتے ہیں :

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش یتیمی کی حالت میں ہوئی تھی۔ کیونکہ اس سے بعد کے واقعات میں آپ کی والدہ ہی کا ذکر آتا ہے، والد کا ذکر نہیں آتا۔ اس وقت آپؑ کی ایک بہن اور ایک بھائی (حضرت ہارونؑ) بھی تھے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ قتلِ ابناء کا حکم زیادہ عرصے سے نفاذ پذیر نہ تھا۔ تورات میں ہے کہ حضرت ہارون، حضرت موسٰے سے بڑے تھے۔"

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۱۸۹)

اب اگر حضرت ہارونؑ کو پیدا ہوتے ہی اس وجہ سے قتل نہیں کیا گیا تھا کہ اس قتلِ ابناء کا یہ ظالمانہ حکم ابھی نافذ ہی نہیں ہوا تھا تو پھر یہ کہنا کہ :

"حضرت موسٰے کے بڑے بھائی ہارون بھی زندہ تھے اور حضرت موسٰے بھی پیدا ہوتے ہی مار ڈالے نہیں گئے تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار نہیں دیا کرتے تھے۔" (لغات القرآن، ص ۶۸۹)

..... صریح مغالطہ انگیزی ہے۔ پھر حضرت موسٰےؑ کو قتل سے بچانے کی خاطر ہی تو ان کی ماں نے انہیں وحیِ خداوندی کے مطابق دریا میں ڈال دیا تھا۔

بہر حال ہماری یہ بحث واضح کرتی ہے کہ قتلِ ابناءِ بنی اسرائیل کا یہ حکم، حضرت ہارونؑ اور حضرت موسٰےؑ کی ولادت کے درمیانی زمانے میں نفاذ پذیر ہوا تھا ـــــ اس پر عمل درآمد کی واقعی پوزیشن کیا تھی ؟ یہ ایک الگ بحث ہے کہ مقصود واضح ہو جانے کے بعد جس کی ضرورت باقی نہیں رہتی !

تیسری دلیل پر بحث

مسٹر پرویز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ ـــــ "دعوتِ موسوی پر بنی نسل کے نوجوان ایمان لے آئے تھے۔ اگر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیا جاتا تو اس ذریت کا وجود ہی نہ ہوتا جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھی" ـــــ

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ قتلِ ابناء کا فرعونی حکم تمام ابنائے بنی اسرائیل کے لئے نہیں تھا، بلکہ صرف ان مردوں کے لئے تھا جن سے فرعون خطرہ محسوس کرتا تھا کہ کہیں

وہ اُبھر کر اس کے اقتدار کو نہ چھین لیں۔ اس طرح جو زندہ بچے ان ہی میں سے یہ ذریت بھی تھی، جن کے ایمان کا ذکر قرآنِ مجید نے "فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ الآیۃ" (یونس: ۸۳) میں کیا ہے۔

علاوہ ازیں قتلِ ابناء کا یہ حکم، فرعون نے نافذ کرنے کو تو کر دیا تھا، مگر اس پر پوری پابندی سے بوجوہ عملدرآمد نہ ہو سکا تھا۔ خود مسٹر پرویز ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"فرعون نے اگرچہ مصری دائیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو پیدا ہوتے ہی ہلاک کر دیا کریں۔ لیکن اس حکم پر شدت سے پابندی نہیں ہو رہی تھی۔"

اس کے بعد پرویز نے تورات کا یہ حوالہ دیا ہے:

"پر دائی جنائیاں خدا سے ڈریں اور جیسا کہ مصر کے بادشاہ نے انہیں حکم دیا تھا، نہ کیا اور لڑکوں کو جیتا رہنے دیا ۔۔۔ خروج ۱۷/۱" (معارف القرآن ج ۳ ص ۱۹۰)

لہٰذا اگر موسےٰ پر ایمان لانے والی یہ "ذریت" ان نفوس پر مشتمل ہو، جو اس ہلاکت خیز قانون سے، اس کی کماحقہٗ پابندی نہ کر سکنے کی بناء پر بچ نکلے ہوں، یا وہ اس حکم کے دائرۂ نفاذ سے اس وجہ سے خارج ہوں کہ فرعون کے نزدیک اگر وہ زندہ بھی رہ جائیں تو اس کے اقتدار کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا، تو اس میں کونسا عقلی استبعاد ہے؟

چوتھی دلیل پر بحث

اس سلسلہ میں مسٹر پرویز کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ ۔۔۔ "اگر فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا مجرم ہوتا تو حضرت موسےٰ سب سے پہلے دربارِ فرعون میں اس کا ذکر کرتے نہ کہ قوم کو غلام بنانے کا۔ کیونکہ یہ جرم قوم کو غلام (محکوم) بنانے سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔"

یہ دلیل تو مکڑی کے جالے سے بھی ضعیف تر ہے۔ مسٹر پرویز کی یہ انتہائی کوتاہ نظری اور کم سوادی ہے کہ وہ مجرد قتل کو غلامی و محکومیت سے زیادہ سنگین سمجھے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ غلامی و محکومیت ایک ایسی لعنت ہے کہ قتل و ہلاکت، اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ یہاں ہم اس لعنتِ کبریٰ کے نتائج و عواقب اور انسانی ذہن پر اس کے اثرات و علائم کی تفصیل میں جانے کی بجائے مسٹر پرویز ہی کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ ان کی روشنی میں

قارئین خود اندازہ لگا لیں کہ کسی کو قتل و ہلاک کر دینے کی نسبت، اسے غلامی و محکومی کی زنجیروں میں جکڑ دینا، کیسا گھناؤنا جرم اور سنگین ظلم ہے؟

۱ "دنیا میں غلامی، ہزار لعنتوں کی ایک لعنت اور لاکھ نحوستوں کی ایک نحوست ہے۔ غلامی میں تمام عیوب و نقائص، جنہیں جسم انسانیت کے لئے جذام کہنا چاہئے، اس انداز سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس کے تباہ کن جرائیم کب اور کن راہوں سے خون کے اندر حلول کر گئے ہیں؟ غلامی میں انسان، زندگی کے حقائق کے مقابلہ سے جی چراتا ہے اور قفس کے خوگر پرندے کی طرح اس عافیت کوشی کی زندگی کو عین حیات سمجھ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتا ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ ذاتی سیرت کی خوبیاں اور اجتماعی کریکٹر کے تمام محاسن ایک ایک کر کے چھن جاتے ہیں۔"

(معارف القرآن، ج ۳، ص ۲۷۰)

۲ "یہ قوم (بنی اسرائیل) ایسی عبرتناک سزا میں ماخوذ ہوئی کہ طبعی طور پر تو زندہ رہی لیکن ملی اعتبار سے یکسر مردہ، بلکہ مُردوں سے بھی بدتر۔ یہ عذاب کیا تھا؟ غلامی اور محکومی کا عذاب، وہ عذاب جس سے انسانیت کی روح کانپ اٹھے، جس سے زمین تھرتھرا جائے، جس سے آسمان میں لرزہ آجائے۔ محکومی! ہزار لعنت کی ایک لعنت اور لاکھ بدبختیوں کی ایک بدبختی، نہ صرف مجبوری کی غلامی بلکہ اس غلامی پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانے کی لعنت۔"

(معارف القرآن ج ۳، ص ۳۲۷)

۳ "انسانی تاریخ کیا ہے؟ صید و صیاد کی ایک خونچکاں داستان! یوں تو اس داستان کی ہر کڑی زہرہ گداز و الم انگیز ہے، لیکن اس کا سب سے زیادہ المیہ ٹکڑا وہ ہے جسے غلامی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غلامی یعنی انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ۔ ایک انسان کا دوسرے انسان کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی ملکیت تصور کر لینا۔ اس سے بڑھ کر ننگ انسانیت اور کون سی لعنت ہوگی؟ ہم نے لکھا ہے کہ انسان کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی ملکیت میں رکھنا غلامی ہے۔ لیکن اس سے بھی غلامی کی صحیح تصویر سامنے

نہیں آسکتی۔ آپ نے کبھی یہ نہ دیکھا ہوگا کہ بھیڑ بکریوں کا مالک انہیں خونخوار بھیڑیوں کے آگے ڈال دے۔ لیکن یہ تماشا آپ کو انسانوں کی دنیا ہی میں نظر آئے گا کہ روما کے ایمپی تھیٹروں میں بھوکے شیروں کو کھلا چھوڑ کر غلاموں کو اندر دھکیل دیا جاتا تھا اور بہیمیت و درندگی کا یہ انسانیت سوز منظر ان غلاموں کے آقاؤں اور دوسرے تماشائیوں کے لئے سیر و تفریح کا ذریعہ بنا کرتا تھا۔"

(معارف القرآن، ج ۴، ص ۵۰۴)

مسٹر پرویز کے یہ اقتباسات غلامی و محکومی کو "ہزار لعنتوں کی ایک لعنت، لاکھ نحوستوں کی ایک نحوست، لاکھ بدبختیوں کی ایک بدبختی اور صید و صیاد کی خونچکاں داستان کی سب سے زیادہ زہرہ گداز اور الم انگیز کڑی" قرار دے رہے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آخر قتل و ہلاکت کی کیا حقیقت ہے، کہ دربار فرعون میں پہنچ کر حضرت موسٰیؑ، غلامی و محکومی میں بنی اسرائیل کو جکڑ دینے کے سنگین جرم سے مطعون کرنے کی بجائے فرعون کو صرف ان کے قتل و ہلاکت کے ذکر سے مطعون کرتے؟ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ خلافِ حکمت و دانش ہوتا کہ فرعون کے سنگین ترین جرم سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس کے ہلکے جرم کا ذکر کر دیا جاتا۔ پس موسٰیؑ نے جو جواب فرعون کو دیا وہی انسب اور معقول ترین جواب تھا۔ کیونکہ اس میں ایک طرف تو قتلِ ابناء کے مقابلے میں، فرعون کے اس سے کہیں زیادہ گھناؤنے جرم کا ذکر ہے جو ہزار لعنتوں کی ایک لعنت اور لاکھ نحوستوں کی ایک نحوست ہے کہ "قتلِ ابناء" خود اس میں داخل ہے اور دوسری طرف فرعون کے "احسانِ پرورش" جتلانے کا بھی یہ بہترین جواب تھا۔

مزید برآں حضرت موسٰیؑ کے اس جواب سے انسانی نفسیات کا یہ گوشہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب کوئی شخص، کسی کا جرم بیان کرتا ہے تو وہ بڑے جرم کے مقابلے میں چھوٹے جرم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں کسی کے ہلکے جرم کو نظر انداز کر کے اس کے سنگین ترین جرم کے ذکر کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ قائل کے نزدیک ذکر کردہ جرم کے علاوہ سرے سے کوئی دوسرا جرم وجود ہی نہیں رکھتا۔

قتلِ ابناء کے دلائل

مسٹر پرویز کے مذکورہ دلائل کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم وہ دلائل پیش کرتے ہیں جو

یہ ثابت کرتے ہیں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کی اولاد کو بیچ میں قتل کر دینے کا قانون، اپنی مملکت میں جاری کر رکھا تھا۔

دلیلِ اوّل:

اس سلسلے میں پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں اس خطرے کے پیشِ نظر، کہ فرعونی کارندے بچے کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیں، دریا میں ڈال دیا۔ یہ کام انہوں نے فرمانِ ایزدی کی تعمیل میں کیا۔ اب اگر مسٹر پرویز کے نزدیک، بچوں کے قتل و ہلاکت کی ایسی کوئی صورتِ حال موجود ہی نہیں تھی، تو ولادتِ موسیٰؑ پر ان کی والدہ کو وہ کون سا خوف لاحق تھا، جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ: "فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ" (القصص: ۷) کہ "جب تمہیں موسیٰؑ کے متعلق خوف لاحق ہو تو اسے دریا میں ڈال دو"۔ کیا کوئی ماں پُر امن حالات میں اپنے معصوم اور نوزائیدہ جگر گوشے کو دریا میں ڈال دینے پر آمادہ ہوتی ہے؟

مسٹر پرویز اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے تو یہ دیکھیے کہ خود قرآن کریم میں اس کی تصریح موجود ہے کہ فرعون نے یہ حکم (کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کر دیا جائے) اس وقت دیا تھا، جب حضرت موسیٰؑ اپنی دعوتِ انقلاب لے کر آئے تھے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ کی انقلابی دعوت کا عالمگیر اثر دیکھ کر فرعون کے امیروں اور وزیروں نے فرعون سے کہا کہ ان کے خلاف کوئی سخت اقدام کیوں نہیں کیا جاتا؟ انہیں اس طرح کیوں کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ یہ جو جی میں آئے کرتے جائیں؟ اس کے جواب میں فرعون نے کہا کہ نہیں! میرے سامنے ایک تجویز ہے اور وہ یہ کہ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ (۷:۱۲۷) "عنقریب ہم ان کے لڑکوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تدبیر اس وقت عمل میں لائی گئی تھی جب حضرت موسیٰ کی دعوت پھیلی ہے۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش کے وقت یہ حکم موجود نہیں تھا۔" (لغات القرآن ص ۴۹)

پھر چند سطروں کے بعد یہ عبارت درج ہے:

"حضرت موسیٰ کی پیدائش کے وقت یہ حکم نافذ نہیں تھا۔ لہٰذا جب یہ حکم ہی نہ تھا تو یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ کو اس لئے دریا میں بہا دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس تدبیر[1] سے زندہ رکھنا چاہتا تھا۔"

اب قطع نظر اس سے کہ اندریں صورت ہمارا یہ سوال اور بھی زیادہ شدت اختیار کر جاتا ہے کہ آخر کوئی ماں پُرامن حالات میں اپنے جگر گوشے کو کیوں دریا میں بہا دے گی، یہ پرویزی دلیل، قرآنی الفاظ سے، قرآنی تعلیمات کے خلاف مفہوم تراشنے کی بھی شرمناک مثال ہے، اس دلیل کی اساس یہ ہے کہ ولادتِ موسیٰ کے وقت قتلِ ابناء کا فرعونی حکم نافذ نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ حکم اس وقت دربارِ فرعون سے جاری ہوا، جب آپ منصبِ نبوت پر فائز ہوئے اور دلائل میں سورۂ اعراف کی وہ آیت پیش کی ہے جو یہ تو ظاہر کرتی ہے کہ فرعون نے یہ حکم اس وقت دیا جب لوگ حضرت موسیٰ کی دعوت سے متاثر ہو رہے تھے، مگر یہ کہ ولادتِ موسیٰ کے وقت بھی یہ حکم موجود تھا یا نہیں؟ اس امر سے یہ آیت اور سورۂ مومن کی آیت (۲۵) قطعی غیر متعلق ہے، حالانکہ زیرِ بحث یہی چیز ہے، سوال یہ ہے کہ دعوتِ موسیٰ کے دوران اگر فرعون قتلِ ابناءِ بنی اسرائیل کا حکم دیتا ہے، تو اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ یہ حکم صرف ایک مرتبہ ہی دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ (اس سے قبل) کسی مقام اور کسی صورت میں یہ حکم نہیں دیا گیا؟ افسوس کہ عمر بھر کے قرآنی مطالعے کے بعد بھی مسٹر پرویز کو یہ علم نہ ہو سکا کہ خود قرآن ہی یہ بیان کرتا ہے کہ ولادتِ موسیٰؑ سے قبل بھی فرعون ابنائے بنی اسرائیل کو قتل کیا کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھا کرتا تھا۔ سورۃ القصص میں ولادتِ موسیٰ سے قبل اللہ تعالیٰ نے فرعون کے اس مردم کش حکم کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ یہ امر شک و شبہ سے قطعی بالاتر ہو جاتا ہے کہ ولادتِ موسیٰ سے قبل اسرائیلی فرزندوں کو قتل کرنے کی ظالمانہ کاروائی جاری تھی (یہ علیحدہ بات ہے کہ اس پر بشدت عملدرآمد نہیں ہو رہا تھا)

(جاری ہے)

---

[1] نہ صرف یہ کہ زندہ رکھنا چاہتا تھا بلکہ اسی تدبیر سے اللہ تعالیٰ ان کے پالنے پوسنے کا انتظام، فرعونی محلات میں کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ اسی ذریعے سے انہیں غوامضِ سیاست اور رموزِ مملکت کی تعلیم و تربیت کا موقع بھی مل جائے۔